عرب معاشرے میں عورت کا بیانیہ

ناول "العاصفہ" کی "لوءلوء" کے حوالے سے: تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Arab Women's Narratives
A Critical Study of Lo Lo from "AlAsfa"

ڈاکٹر محمد ابو بکر فاروقی

لیکچرار اردو، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

عنبرین امجد

لیکچرار اردو، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

Abstract:

Penning feminine narrative has gained immense popularity in the 21st century Urdu fiction. Various novelists are bringing to the fore such voices through their stories. Hasan Manzar's novel "Al-Asifah" beautifully portrays the narratives of the scarred souls of Arab women. In this paper Manzar's novel is anlaysed in the same perspective.

Keywords:

حسن منظر، العاصفہ، عرب معاشرہ، مذہب، بیانیہ، عورت، اُردو فکشن، ناول۔

بہ قول ڈاکٹر انوار احمد "حسن منظر عہد نامہ قدیم، بائبل اور قرآن سے ہی آشنا نہیں، عبرانی اور عربی پر بھی دست رس رکھتے ہیں۔"(۱) حسن منظر کا یہ مختلف مذہبی کتابوں کا مطالعہ اور زبانوں سے آشنائی اُن کے ناولوں کو اُردو کے پچھلی صدی کے ناولوں میں ہی نہیں اس صدی کے بھی دیگر ناول نگاروں سے اُنھیں مختلف بناتی ہے۔

حسن منظر کا ناول "العاصفہ" اصل میں تو عرب کلچر کے مسائل کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ عرب کلچر میں سب سے زیادہ مسائل عورتوں کے ہی ہیں۔ اگرچہ یہ ناول بنیادی طور پر عرب ثقافت پر تنقید ہے:

> "ایسی ثقافت جہاں کسی کے پاس زندگی کا کوئی مقصد کاروں، بندوقوں، الیکٹرانک اشیا، بیویوں، برفیوم اور عالی شان بیوت (مکان) کے سوا نہیں ہے۔"(۲)

عرب معاشرت کی اس بے کاری کا ذکر زید ایک اور جگہ ان الفاظ میں بھی انتہائی موثر الفاظ میں کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "مجھے کوئی کام بھی نہیں تھا کیوں کہ عرب ممالک میں کسی کو کام ہوتا بھی کیا ہے۔ لوگ بے کار پڑے اینڈا کرتے ہیں۔ نارجیلہ کے کش لگاتے ہیں، قہوہ لیٹرز کے حساب سے پیتے ہیں اور عورتوں کی باتیں کیا کرتے ہیں یا سیاست کی۔"(۳)

لیکن اس ثقافت میں پستی عورت ہی ہے۔ عرب کلچر پر تنقید کے لیے حسن منظر نے اسی ثقافت میں سے ایک مرد کردار زید بن ابو سعید منتخب کیا گیا ہے جو اپنے ماحول اور سماجی صورتِ حال سے صرف نالاں ہی نہیں بلکہ بغیر تعصب

کے اُس کو بیان کرنے کی قوت بھی رکھتا ہے۔ اسی کے بیان سے عرب کلچر اور اُس میں سانس لیتی عورت کا بیان بھی رقم ہوتا جاتا ہے۔

زیدؔ ایک بدّو خاندان کا فرد ہے لیکن اُس کی ماں بدّو یہ نہیں، وہ ایک خوب صورت مصری عورت ہے۔ زیدؔ کی ماں، اُس کے باپ کی دوسری بیوی ہے جب کہ پہلی بدّو بیوی سے ایک بیٹی لوءلوءؔ ہے جو زیدؔ کی اب رشتے میں سوتیلی بہن لگتی ہے۔ زیدؔ کا باپ علیؔ ابن سعید سراسر بدّو ہے، بلکہ صرف بدّو نہیں بلکہ سائرہ غلام نبی کی زبان میں "بدوؤں کی سوچ کا نمائندہ ہے۔"(۴) جس کی سوچ کا ایک اظہار وہ فقرہ ہے جس کی بنیاد پر وہ اپنے بیٹے زیدؔ کو چڑاتا ہے اور شیخی بگھارتا ہے۔ بقول زیدؔ:

> "یہ مت بھولو جب میں تمھیں اس دنیا میں لایا تھا میری عمر اس وقت صرف بارہ سال تھی اور تم بائیس سال کے ہو اور کوئی ذی روح دُنیا میں نہیں لائے۔ ایسی بات کہ کر وہ پوری بے شرمی سے میری چھوٹی بہنوں تک کے سامنے ہنس سکتا ہے۔"(۵)

یہ ایک فقرہ بتاتا ہے کہ عرب کلچر میں مردانگی کا ایک تصور جلد سے جلد کسی عورت کو حاملہ کرنے اور اولاد جننے میں ہے، اسی لیے وہاں چھوٹی عمر میں باپ بننا کسی شخص کے لیے قابلِ فخر ہے اور اسی بنیاد پر زیدؔ کا باپ زیدؔ کے سامنے ڈینگ مارتا ہے اور اُسے شرمندہ کرتا ہے جو بائیس سال کا ہو کر بھی کسی عورت کو حاملہ نہیں کر سکا۔ اس فقرے کا نفسیاتی اثر زیدؔ پر کیسے ہوا ہے؟ یہ اُس کی سائیکی کو سمجھنے میں معاون ہے جو اپنی ثقافت سے بے شک نالاں ہے اور اُن جاہلانہ اور مجہول اقدار کو پسند نہیں کرتا جو غیر انسانی حد تک سماج میں حاوی ہو چکی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ باپ کے مندرجہ بالا بار بار دہرائے جانے والے فقرے کے ذہنی اثر میں آ کر رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

> "یہ جملہ وہ (باپ) اتنی بار حربے کی طرح استعمال کر چکا ہے کہ میرے دماغ پر اس کی عمر مستقلاً ۱۲ سال مرتسم ہو کر رہ گئی ہے اور خود میں بائیس سال کا ہوں.......یعنی اپنے حقیقی باپ سے کم سے کم دس سال بڑا۔ بعض اوقات مجھے لگتا ہے میرے جبڑے لٹکتے جا رہے ہیں۔ صبح سو کر اُٹھنے پر مجھے اپنی کمر میں درد محسوس ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے اپنے ساتھ کے دوسرے نوجوانوں کی طرح مجھ میں کوئی اُمنگ باقی نہیں۔"(۶)

جنس اور جنسی مظاہرے؛ عرب ثقافت کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یہی وجہ ہے کہ زیدؔ کا باپ کم عمری میں باپ بننے پر فخر کرتا دکھائی دیتا ہے اور وہ اس کا راگ اس قدر الاپتا ہے کہ بیٹے کو نفسیاتی سطح پر بیمار اور بوڑھا کر کے رکھ دیتا ہے۔ زیدؔ نہ چاہتے ہوئے بھی، اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ سب جہالت ہے، باپ کے اُس بیان سے خود کو نہیں بچا سکتا جس کا پروپیگنڈا دن رات اور صبح شام کیا جاتا ہے۔

دوسری طرف زیدؔ کی ماں جہاں اور بہت سے عیوب کا مجموعہ ہے وہاں ایک عیب اُس میں یہ بھی موجود ہے کہ وہ گورے اور کالے میں شدید تفریق کی قائل ہے۔ ایشیا اور عرب میں گوروں کی غلامی سے، اور اس غلامی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احساسِ کم تری سے، یہ ذہنی کیفیت یہاں کے تقریباً ہر فرد کی بن گئی ہے کہ نہ صرف گورے اور کالے میں تفریق کی جاتی ہے بلکہ گورے کو کالے پر فوقیت بھی دی جاتی ہے۔ زیدؔ کے لیے یہ معاملہ اس لیے بھی زیادہ تکلیف دہ ہو جاتا

ہے کہ وہ اپنی ماں کے دیگر بچوں کے مقابلے میں "کالا" ہے؛ اور اُدھر معاملہ یہ ہے کہ ماں گورے اور کالے کی بنیاد پر اپنے ہی بچوں میں امتیازی سلوک روا رکھتی ہے۔ زیدؔ کا کرب ان جملوں سے عیاں ہے۔ وہ بتاتا ہے:

"یہ عورت اپنے بچوں میں تفریق کرتی تھی۔ اُس کے تین اُجلے بچے تھے، باقی دھندلے اور ایک؟ اب کیا کہوں۔ اپنی کمائی سے ساری عمر میں نے اُس کی محبت خریدنی چاہی۔ قیمت ادا کرتا رہا تھا مگر مال نہیں ملا تھا۔ سراسر گھاٹے میں رہا تھا۔"(۷)

بہ ظاہر حسن منظر نے اس ناول میں کسی خاص ملک کا نام نہیں لیا اور نہ ہی شہروں کے نام لکھے ہیں حتیٰ کہ جس کمپنی میں زیدؔ ملازم ہوتا ہے، اُس کا نام بھی نہیں لکھا۔ صرف "ک" یا "ن" وغیرہ یک حرفی عنوانات سے کام لیا ہے لیکن ہمیں اس کے باوجود اس ناول میں موجود دیگر اشاروں سے بہ خوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ حسن منظر کے اس ناول میں کس ملک کی بات کی جا رہی ہے۔ لیکن اس بات نے یہاں بلاشبہ معنویت کو وسعت دی ہے، بہ قول اجمل کمال:

"ناول میں بہت سے اشارے موجود ہیں جن کی مدد سے اس ملک کو پہچانا جا سکتا ہے لیکن اسے نام نہ دے کر حسن منظر نے اپنے ناول کو متعدد ایسے مسلمان ملکوں کا استعارہ بنا دیا ہے جہاں سیاسی جبر اور منافقانہ ذہنیت کا تسلّط ہے۔ اس جبر اور منافقت کے ہاتھوں ان معاشروں میں رہنے والوں کی روحیں کس طرح مسخ ہوتی چلی جاتی ہیں اور زندگی کی اُمنگ کیوں کر ان کے جسموں سے نچوڑ لی جاتی ہے اس کا گہرا احساس 'العاصفہ' کے مرکزی کرداروں نوجوان زیدؔ اور اُس کی بہن کی زندگیوں کے نشیب و فراز میں سمو دیا گیا ہے"(۸)

زیدؔ کی طرح اُس کی بہن لوءلوءؔ بھی سماجی جبر اور نام نہاد کی روایتوں کے تلے پستی ہے۔ وہ شاعرہ ہے اور اپنی گھٹن کو شاعری کے ذریعے دُور کرنے کی کوشش کرتی ہے مگر اُس کے اظہار پر بھی اعتراض اور پابندی ہے۔ یہاں تک کہ اُسے گھر چھوڑنا پڑتا ہے اور گھر چھوڑ کر وہ مزید، شدید ترین مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے کہ اس کے ارد گرد پائے جانے والے عرب مردانہ سماج میں باتوں کی حد تک تو مذہبی حوالوں سے عورت کی تحریم اور تقریم کے بہت دعوے ملتے ہیں، مگر عملاً اپنے بل بُوتے پر سماج میں جگہ بنانے والی عورت کی وہاں کوئی جگہ نہیں۔

لوءلوءؔ کے کندھوں پر سوتیلی ماں نے گھر کے کام کاج کا سارا بوجھ ڈال رکھا ہے۔ وہ دن رات بیگار محنت کی مشقت اُٹھاتی ہے۔ کمانا زیدؔ کی ذمہ داری ہے جب کہ امورِ خانہ داری کی ساری ذمہ داری لوءلوءؔ کے سر پر ہے۔ اسی لیے زیدؔ کہتا ہے:

"گھر سے باہر کنبے کے لیے جو حیثیت میری تھی وہی گھر کے اندر رہ کر لوءلوءؔ کی تھی۔ ہم دونوں باربردار تھے۔"(۹)

لوءلوءؔ کی نہ کوئی سہیلی ہے اور نہ کوئی رشتہ دار کہ اُس کی ماں کے مرنے کے بعد اُس کے باپ نے اُس کی ماں کے رشتے داروں سے سارے رشتے ناتے توڑ ڈالے ہیں۔ حتیٰ کہ اُس کے باپ کو اُس کی پیدائش تک کا اب کچھ پتہ نہیں۔ یوں بھی عرب معاشرت میں لڑکی کی پیدائش نہ کوئی معنی رکھتی ہے نہ اہمیت، تو یہ فراموشی بھی اصل میں اسی معاشرتی بنیادوں پر ہے جس میں اُس کا باپ رہتا ہے۔

عرب معاشرت میں بیٹی کی اہمیت محض اتنی ہے کہ وہ بیاہ کے قابل ہو کر ماں باپ کے لیے کس قدر رقم بٹورنے کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ جس قدر لڑکی حسین ہو، وہ اتنی زیادہ قیمت میں بکتی ہے۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ عرب کلچر میں شادی بھی

اصل میں عورت کی سودے بازی کا دوسرا نام ہے۔ لیکن لوء لوءؔ کی بد قسمتی یہ ہے کہ وہ خوب صورت بھی نہیں اور اُس پہ مزید بد قسمتی یہ کہ چولہے پر گرنے سے اُس کا ایک گال بھی جل چکا ہے۔ ایسی صورت میں لوء لوءؔ کا عرب کے بازاروں میں مول لگنا ممکن نہیں، لہٰذا اُس کا بغیر شادی کے گھر رہنا ہی اُس کی سوتیلی ماں کے لیے فائدہ مند ہے کیوں کہ اس طرح کام کرنے کو ایک مفت کی نوکرانی میسر ہے۔ اُس کی سوتیلی ماں اس سارے تناظر میں اُس کی شادی کے سوال پر اُس کے باپ سے جو بات کرتی ہے وہ اُس کی ذہنیت کے عین مطابق ہے۔ وہ کہتی ہے:

"نہیں ہم لوء لوءؔ کی شادی نہیں کر سکتے ہیں۔ جو لے گا اِسے مفت میں لے گا، بلکہ کچھ ہم ہی سے لے کر۔ پھر یہ کہ اگر یہ چلی گئی تو گھر کا کام کون کرے گا!"(۱۰)

لڑکی سے شادی کے لیے لڑکے کی رقم لگنا، عرب معاشرت کا اہم دستور ہے۔ اسی رسم یا دستور کے تحت زیدؔ کا باپ؛ زیدؔ کو بے وقوف بنا کر اُس کی ساری کمائی لوٹ لیتا ہے۔ زیدؔ اپنی ماں کی ایک دُور کی رشتہ دار منیرہؔ سے محبت کرتا ہے جس کے بارے اُسے گمان ہے کہ شاید وہ بھی اُس سے محبت کرتی ہے۔ زیدؔ باوجود اپنی پرانی رسموں رواجوں سے بے حد برگشتہ ہونے کے، باپ کے چکر میں آجاتا ہے اور اپنی کئی سالوں کی کمائی لٹا بیٹھتا ہے۔ یعنی شادی اور گھر بسانے کی خواہش اُسے انھی رسموں رواجوں میں پھنسا کر بے وقوف بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔

دوسری طرف منیرہؔ اُس عرب معاشرتی فضا کی تیار کردہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتی ہے جو وہاں کی عورت سے متوقع ہے۔ اُسے سکھایا پڑھایا گیا ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے مالی استحکام کس قدر ضروری ہے۔ لہٰذا وہ زیدؔ کی پُر خلوص محبت کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس سے شادی کرنے سے انکار کرتی ہے اور کسی دولت مند شیخ سے شادی کر لیتی ہے۔ یہ الگ بات کہ بعد میں وہاں جو اُس کی حالت ہوتی ہے اور جب وہ آخر میں ہسپتال میں زیدؔ سے ملتی ہے تو احساسِ ندامت اُس کے وجود سے چھلک رہا ہوتا ہے، مگر شادی کا فیصلہ وہ اُسی ذہنیت کے تحت کرتی ہے جس سماج میں وہ رہ رہی ہوتی ہے۔

ایک جگہ منیرہؔ سے شادی کی بابت سوچتے ہوئے زیدؔ بھی اسی ذہنیت کا شکار ہوتا ہے اُس کے لیے بھی منیرہؔ جیسی "آزاد چڑیا" سے شادی اپنے خاندان کی مناسبت سے سوال پیدا کر دیتی ہے۔ وہ سوچتا ہے:

"ایک نیا خیال اچانک میرے ذہن میں اُبھرا: میں منیرہؔ سے شادی کا متمنی تو ہوں لیکن کیا واقعی یہ وہ لڑکی ہے جس سے مجھے شادی کرنی چاہیے؟ ہم کچھ قدیم قسم کے لوگ ہیں لیکن ہماری جو لڑکیاں بیروت اور قاہرہ کی فضا میں رہ رہی ہیں کیا ان گھروں میں رہ سکتی ہیں جن میں........... جن میں؟ میں نے لوء لوءؔ کی نانی کو دیکھا تھا........... یا یہاں جن گھروں کی عورتیں برقع پہنے بازاروں میں کام کرتی نظر آتی ہیں........... لیکن میں اتنی پس ماندہ بیوی بھی نہیں چاہتا تھا۔ اور منیرہؔ جیسی آزاد چڑیا بھی نہیں جو کسی دوسری ہی دنیا کی مخلوق بن گئی تھی۔"(۱۱)

ناول کا اختتام المیاتی ہی ہے۔ منیرہؔ اور لوء لوءؔ کا انجام تو ویسے ہی بُرا ہے لیکن زیدؔ کا المیہ یہ بنتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے اپنے وطن نہ جانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ ناول کا اختتامیہ اُس کا یہی فیصلہ بنتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"مجھے لوٹ کر ایک بار پھر اپنے وطن نہیں جانا ہے۔ یہ میں کئی بار خود کو سمجھا چکا ہوں---- کبھی بھی۔"(۱۲)

لٰہذا ڈاکٹر ممتاز احمد خان کا اس ضمن میں یہ کہنا بجا ہے:

"ناول کا اختتام ایک استحصال زدہ عرب معاشرے کے اس المیہ کو بیان کرتا ہے جو صدیوں کے بعد بھی اپنے لیے کوئی باوقار معاشرت اختیار نہ کر سکا اور صدیوں پرانی ہی قابلِ مذمت روایات پر گامزن ہے اور جہاں زیدؔ جیسے روشن خیال، جمہوریت پسند اور سماجی انصاف کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے انسان کے لیے کچھ نہیں ہے"(۱۳)

ایسے سماج میں جب ہم عورت کو دیکھتے ہیں تو اُس کی تصویر انتہائی درماندہ بنتی ہے۔ "العاصفہ" کے نسوانی کردار اس سماج کی سچی تصویریں ہیں جن میں لوء لوءؔ کا کردار خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔

لوء لوءؔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہُوا زیدؔ کی سوتیلی بہن ہے جو سوتیلی ماں کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ ایک بدوی ماں کی بدویہ بیٹی ہے۔ اُس کی معاشرتی حیثیت بہت کم ہے۔ اس کا پہلے پہل تعارف ہم زیدؔ ہی کی زبانی یوں سُنتے ہیں۔ وہ بتاتا ہے:

"لوء لوءؔ کو لوگ پاگل سمجھتے تھے اور میری ماں کو اُس سے بیر تھا۔ وہ بے وجہ ہنسنے کی عادی تھی اس لیے ماں اُس سے چڑ بھی جاتی تھی۔۔۔ وہ سُرخ موتیوں کی لڑیاں اپنی گردن میں لپیٹے رہتی تھی۔ موتی اور اُس کی گردن میل سے چِکٹ رہتے تھے۔ لوء لوءؔ اور میں چوں کہ اکثر ایک ساتھ پٹتے تھے اس لیے وہ مجھ سے پیار بھی کرتی تھی۔ اس کی دو بہت خطرناک عادتیں تھیں: پہلی شعر کہنے کی جنھیں وہ باضابطہ ایک کاپی میں لکھا کرتی تھی اور دوسری بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے بے ہوش ہو جانے کی۔"(۱۴)

اور پھر مزید یہ کہ:

"گھر میں جب مہمان ہوں، اُس (لوء لوءؔ) کی کوشش ہوتی تھی وہ اُن میں گھُس کر بیٹھے........ پھر وہ ہر بات میں دخل دینے کو تیار رہتی تھی........ ماں اُسے زبردستی ہاتھ پکڑ کر اُٹھا دیتی تھی۔ اس پر وہ گھنٹوں روتی تھی اور کبھی کبھی روتے ہی میں بے ہوش ہو جاتی تھی........ دو تین موقعوں پر وہ کھڑے سے گر چکی تھی۔ اکثر میں نے اُسے اپنی نئے اور پرانے زخم گنتے دیکھا تھا.......... معلوم نہیں کیا سوچ کر اُس کی ماں نے یہ نام اُسے دیا تھا........ لوء لوء۔ میرے لیے آج تک اس نام میں سحر ہے۔"(۱۵)

حسن منظر اپنے کرداروں کی ظاہریت سے بھی اُن کے نقش و نگار بنانے میں اہم کام لیتے ہیں۔ یہاں لوء لوءؔ کا کردار بنیادی طور پر مظلوم طبقے کی نمائندگی کرتا ہے جس کی ماں مر چکی ہے اور باپ کی دوسری شادی کی وجہ سے سوتیلی ماں کا سلوک اُس کا مقدر ہے۔ گھریلو استحصال کی صورت اسی کردار سے نمایاں کی گئی ہے۔ لوء لوءؔ کا کردار یہ بتانے میں بہت معاونت کرتا ہے کہ عرب معاشرہ ابھی تک زمانۂ جاہلیت کی اُنہی ظالمانہ رسوم و رواج میں جکڑا ہُوا ہے جن میں وہ آنحضرت ﷺ کی آمد سے پہلے جکڑا ہُوا تھا۔ حالاں کہ اسلام آ جانے کے بعد عورت کو بھی معاشرے میں وہی مقام عطا کیا گیا تھا جو مرد کا تھا۔ اس ذیل میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب کا یہ کہنا بالکل درست ہے::

"قرآن مجید میں جہاں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ انسان کی فلاح کا دارومدار ایمان اور عمل پر ہے وہاں عورت اور مرد دونوں کو شامل کیا گیا ہے، یہ نہیں ہے کہ عورت، عورت ہونے کی وجہ سے ذلیل ہے اور مرد، مرد ہونے کی وجہ سے جنت کا حق دار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیکی اور تقویٰ ہی شرفِ قبولیت کا درجہ رکھتی ہے اور وہ جیسا کہ قرآن مجید۔۔۔ میں واضح کیا گیا ہے، مرد اور عورت دونوں ہی میں ہو سکتا ہے۔"(۱۶)

موجودہ عرب میں بہر حال یہ صورت قائم نہیں رہ سکی۔ ناول نگار ہمیں وہ صورت دکھاتا ہے جو وہاں عملی طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اس تصویر میں اسلام کے بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی بھی ہے اور عورت اس معاشرے میں ایک غیر فعال فرد بنا دی گئی ہے۔ عرب کی عورت کا مقدر گھر میں قید رہ کر آنے والے دنوں میں شادی کا انتظار کرنا ہے اور شادی کے نام پر بھی اصل میں وہ بیچی جاتی ہے۔ یہی اصل تصویر ہے عرب عورت کی۔

بہر حال ایسے سماج اور گھرانے میں ہی لوءلوءَ کو رہنا ہے جہاں جہالت بھی ہے، اور مقدر کی کرنی یہ بھی کہ سوتیلی ماں کا سایہ بھی اُس کے سر پر ہے جس کی وجہ سے مصائب اور گھٹن میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ لوءلوءَ اپنی گھٹن یا فرسٹریشن کا مداوا شعر کہہ کر کرتی ہے۔ اور اگر اُس کے شعر کہنے یا سنانے میں کوئی مخل ہو تو اُس کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ بقول راوی:

"اُس دن میں نے لوءلوء کو گرم ہوتے دیکھا۔ جس طرح لوہا تپایا جانے پہ آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگتا ہے اس نے اپنے شعر پڑھنے شروع کیے جو مغروروں کو شرم دلانے کے لیے لکھے گئے تھے۔ ماں پر بھوت سوار ہو گیا اُس نے کتاب چھین کر دیوار سے باہر اُچھال دی۔ لوءلوء کے ہاتھ پیر اینٹھنے لگے اور منہ سے جھاگ اُبل آیا۔ پھر وہ کھڑے قد سے زمین پر گری اور بے ہوش ہو گئی۔"(۱۷)

لوءلوءَ کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اب ایسی لڑکی جو مرگی کی مریضہ ہو، بد صورت ہو اور خود سر بھی؛ تو اُس کی کون اتنی قیمت دے گا اور بیاہ کر لے جائے گا۔ ایسی لڑکیوں کے ساتھ ایسے سماج میں یہی ہو سکتا ہے جو ہمیں اس ناول "العاصفہ" میں دکھایا گیا ہے۔ لوءلوءَ نہ صرف عرب کے بدو سماج کا استعارہ بن جاتی ہے بلکہ اس دنیا پر موجود ہر اُس سماجی نظام کا بھی استعارہ بنتی ہے جہاں اس قسم کے ظلم اور جبر لاگو ہیں۔ حسن منظر نے لوءلوءَ کی جو تصویر اپنے راوی کے ذریعے دکھائی ہے وہ اصل میں ایک ایسی لڑکی کی تصویر ہے جو بقول روبینہ سلطان:

"خود سر ہے۔/ ماں باپ کو گالیاں دیتی ہے ماں پر گندے الزام دیتی ہے۔/ اشعار کہتی ہے۔ اپنے بہن بھائیوں کو پالتی ہے۔/گھر کے تمام کام بھی کرتی ہے۔"(۱۸)

اس میں شک نہیں کہ حسن منظر نے لوءلوءَ کے کردار میں جان بھر دی ہے۔ کردار میں واقعیت پسندی اور فطرت پسندی کے عناصر عروج پر ہیں۔ پھر یہ کہ لوءلوءَ کا کردار تمام تر ارتقائی منازل طے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بڑھتی ہوئی عمر میں بچوں بچیوں میں بڑوں کی نقل کرنے یا تقلید کرنے کا ایک فطری جذبہ موجود ہوتا ہے۔ یہ کوئی انوکھی یا بُری بات نہیں۔ لوءلوءَ کے ہاں بھی ایسا ہے۔ ناول نگار نے اُس کی اس فطرت کا بھی منظر دکھایا ہے اور سماج کے انسانی فطرت پر جبر کے پہلو کو بھی دکھایا ہے۔ لوءلوءَ بلاشبہ ایسی بچی بھی ہے جو زندگی کی نقل کرنے میں لطف محسوس کرتی ہے جب کہ اُس کا گھریلو ماحول اس کی اجازت دینے کو تیار نہیں۔ لہٰذا یوں ہوتا ہے کہ:

"ایک دن گھر میں بڑا ہنگامہ ہُوا۔ لوءلوءَ بارہ تیرہ کی ہو گی۔ اندر کے کمرے میں ماں نے اُسے حیاؔ کو قمیض کا دامن اُلٹ کر دُودھ پلاتے پکڑ لیا تھا۔ جو وہاں نہیں تھے۔ ماں اُسے پیٹتی جا رہی تھی اور کہہ رہی تھی، شادی سے پہلے ہی ماں بننے کا شوق ہے۔ اس پٹائی میں حیاؔ اُس کی گود سے گر گئی تھی اور لوءلوءَ کے ساتھ وہ بھی رو رہی تھی۔"(۱۹)

لوءلوءکا اپنی سوتیلی ماں سے یوں تو ہر وقت کا جھگڑا رہتا تھا لیکن ایک دن انتہا ہو جاتی ہے۔ اس لڑائی میں لوءلوءکی وحشت، اُس کی بدزبانی، الزام تراشی اور غصے کی شدت کے ساتھ ساتھ اُس کی اپنی سگّی ماں کے لیے تڑپ اور محرومی؛ سب ایک ساتھ نمایاں ہوتی ہیں۔ اصل میں لوءلوءکی اپنی ماں سے جدائی اور اس کے بعد اپنے ننھیال خاندان سے نہ ملنے کی پابندی نے اُس کی نفسیاتی حالت اور اُس کی کرداری صورت بہت بھیانک کر دی تھی۔ ایسی حالت کو کوئی اور سمجھنے کو تیار نہیں اور خود اُس کے اپنے بس میں تو کچھ بھی نہیں سوائے جھگڑ کر اپنی فرسٹریشن دُور کرنے کے، لہٰذا وہ یہی کرتی ہے۔ ایک دن جب ناول کا راوی زید گھر آتا ہے اس صورت حال کا سامنا کرتا ہے۔

"جب مجھے نیند آنے لگتی ہے تو ماں کی آواز سُنائی دیتی ہے، 'ایسا ہی ہے تو گھر سے نکل کیوں نہیں جاتی؟

میں کیوں گھر سے نکلوں؟ گھر میرا بھی ہے۔ تم ہی اس کے ساتھ بھاگ جاؤ۔

ماں لوءلوءکو گالی دیتی ہے۔

لوءلوءبغیر جھجکے وہی گالی ماں کو دیتی ہے۔

ماں کہتی ہے، تجھے شرم اُڑ گئی ہے جو حرام کرتی ہے۔

لوءلوءپلٹ کر کہتی ہے، مجھے بھی معلوم ہے ان بچوں میں کتنے میرے باپ کے ہیں، میں قسم کھا کر بتا سکتی ہوں۔

اُس نے شام کو یہی الفاظ میرے باپ کے سامنے دُہرائے۔

دونوں عورتیں رو رہی تھیں۔"(۲۰)

باپ کے سامنے جب لوءلوءکی یہ الزام بھری بات آتی ہے جس میں کہ اُس کی مردانہ شان اور غیرت کا سوال آ جاتا ہے تو وہ بھی طیش میں اپنا ردِ عمل ظاہر کرتا ہے جو ایک مردانہ سماج کے رواجوں کے عین مطابق ہے۔

"باپ نے مٹی سے بھری جوتی اُتار کر لوءلوءکے منہ پر مارنی شروع کی۔ ایک ہاتھ سے وہ لوءلوءکے دونوں ہاتھ تھامے ہُوئے تھا اور دوسرے سے اپنی بھاری جوتی اس کی ناک اور سر پر مار رہا تھا یہاں تک کہ لوءلوءکی ناک سے خون پھوٹ بہا۔

بتا! بتا! کیا معلوم ہے تجھے؟ اس نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

اس سے پوچھو، لوءلوءنے کہا۔ اس کا رونا بند ہو چکا تھا اور ماں سے بدلہ لینے پر تُلی ہوئی تھی۔

اس سے پوچھو۔ میں نے اسے کہتے سُنا ہے کہ ابنِ سعید مخنث ہے۔

ایک لمحے کے لیے پورا گھر فالج زدہ ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد ماں پاگلوں کی طرح اپنے بال پکڑ پکڑ کر کھینچنے لگی۔

میں نے کب کہا تھا، میں نے کب کہا تھا؟ وہ بار بار کہہ رہی تھی۔"(۲۱)

یہ سب سُننے کے بعد باپ کا ردِ عمل وہی ہے جو ایسی صورت حال میں ہو سکتا ہے، وہ لوءلوءکو گھر سے باہر نکالنے پر تُل جاتا ہے ایسے میں راوی مداخلت کر کے اُسے ایسا کرنے سے تو روک لیتا ہے لیکن گھر کی بگڑ جانے والی حالت کا کچھ نہیں کر سکتا۔ لوءلوءکی حالت بھی یہاں دیدنی ہے جب وہ اپنے غصے کی انتہا پر ہے۔ ساری سچوئیشن کچھ ایسی ہوتی ہے:

"ایسا لگتا تھا دوزخ کے دروازے کھُل گئے ہیں اور اب اُنھیں بند نہیں کیا جا سکتا۔ میرا باپ لوءلوءکو کھینچتا ہُوا دروازے تک لے گیا۔ میں بھاگ کر اُن دونوں کے پاس پہنچا۔ لوءلوءزمین پر گری ہوئی تھی اور وہ اُسے کھینچ

کر باہر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ میں نے پوری قوت سے باپ کو دھکا دے کر دروازہ اُس کی گرفت سے چھڑا لیا اور اندر سے کنڈی لگا دی۔۔۔ لوءلوءنے زور زور سے اپنا ماتھا زمین سے ٹکرایا اور ڈکراتی ہوئی گائے کی طرح بولی، 'اور مارو، اور مارو، مجھے مار کیوں نہیں ڈالتے۔ مار کر مجھے میری ماں کے پاس بھیج دو۔" (۲۲)

یہی وہ واقعہ ہے جو آنے والے دنوں میں لوءلوء کے مقدر کا فیصلہ کرتا ہے۔ لوءلوء کے اب گھر میں رہنے کی کوئی جگہ نہیں رہتی۔ ایسے سماج اور گھرانے میں جب ایک لڑکی، وہ بھی سوتیلی، اس قدر بدتمیزی اور بے باک قسم کی نڈری کا مظاہرہ کرے اور سماجی روایات کے مطابق اپنی زبان سے وہ گند بکتی ہے کہ جس کا تصور کرنا بھی اُس کے اردگرد موجود سماج کے لیے ناممکن ہو، وہاں ایسی لڑکیوں کی جگہ پھر اپنے گھر میں نہیں رہتی۔ سماج اور گھر ایسی لڑکی کو خود سے دُور بلکہ بے دخل کیے بغیر چین کا سانس نہیں لے سکتا۔ گو روبینہ سلطان، لوءلوء کے اس کردار کو قصوروار نہیں سمجھتیں۔ اُن کا مؤقف بالکل واضح ہے جو اُس کی ذہنی حالت جانتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:

"اگر تھیم کو اس ناول سے ہٹ کر دیکھیں تو لوءلوء ایک بدتمیز، خودسر اور منہ پھٹ لڑکی ہے۔ لیکن اگر اسے ناول کے بیانیاتی تناظر میں دیکھیں تو وہ محض ایک لڑکی ہے جو اپنی ذات کا اثبات اپنے سے کروانا چاہتی ہے۔ اس لیے اصل حیثیت اس کی اس خواہش کی ہے جو وہ رکھتی ہے۔ یہ خواہش ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جس کے سامنے اس کی ماں کا وجود محض ایک پرچھائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ لوءلوء کے سامنے اس کے گھر اور اس کے گھر کے افراد کی شخصیتیں ایک لحاظ سے بے معنی ہیں۔ اگر اس تھیم کو تھوڑا گہرائی میں جا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ خود لوءلوء کی شخصیت تو ہے لیکن وہ اُس کو اپنے رشتوں کے آڑے نہیں آنے دیتی یہ ہی وجہ ہے کہ ایک دن وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے۔"(۲۳)

اور اس کا اندازہ زید کو، جو لوءلوء کا سوتیلا بھائی بھی ہے اور اُس کا ہمدرد بھی اور اس ناول کا راوی بھی، اُسی جھگڑے والے دن ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اب بدکاری ہی لوءلوء کا مقدر رہ گئی ہے۔ اُس کے نزدیک لوءلوء کی زندگی اکارت اور ضائع چلی گئی۔

"میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا کہاں سے ایک خیال اُڑتا، اُڑتا میرے ذہن میں آیا: اس لڑکی کی زندگی اکارت گئی۔ جتنا میں اس خیال کو دبانے کی کوشش کرتا تھا اُتنا ہی شدید ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے ایک نئے خوف کا احساس ہونے لگا: اب بدکاری اس کی قسمت ہے۔ ایک لڑکی کب آوارہ ہو جاتی ہے؟ یہ سوال میرے دماغ میں مستقل چکر لگا رہا تھا۔"(۲۴)

بہ ہر حال یہی ہوتا ہے اور لوءلوء گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ مردوں کی بالادستی پر مبنی معاشرے جو فکری، علمی اور تعلیمی سطح پر زوال کا شکار ہوتے ہیں، اُن کی مجہولیت عورت کی پس ماندگی اور مظلومیت کا ہی باعث بنتی ہے۔ ایسے معاشروں میں عورت صرف یا تو نسل بڑھانے کا سامان سمجھی جاتی ہے یا پھر بازاری سطح پر مردوں کی عیاشی کا سامان بن سکتی ہے۔ وہ ایسے معاشروں میں اپنی ذہانت، لیاقت اور قابلیت کی بنیاد پر اپنی شناخت نہیں بنا سکتی۔

"حسن منظر نے اپنے اس ناول "العاصفہ" میں اور خاص طور پر لوءلوء کے کردار سے کچھ ایسی ہی باتیں سجھانے کی کوشش کی ہے۔ شاید اسی لیے "حسن منظر کے ہاں نسوانی کرداروں کی پیش کش عام ناول نگاروں کے مقابلے میں قدرے مختلف ہوتی ہے۔"(۲۵)

اس ناول میں وہ بتانا چاہتے ہیں کہ فکری پس ماندگی پر مبنی معاشروں میں عورتوں کی تعلیم، اُن کا مقصدِ حیات، اُن کا شعور یا اُن کی خواہشات کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ بھیڑ بکریوں کی طرح پالی جاتی ہیں۔ اور جو عورت یا لڑکی اس طرح کے ماحول سے بغاوت کر کے اپنا آپ منوانے کی کوشش کرے وہ بھی اس سماج کے گڑھے ہی میں گرتی ہے۔ لوء لوءؔ اس کی بھی مثال بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ گھر کے گھٹن زدہ ماحول سے نجات حاصل کرنے کے لیے بھاگ جاتی ہے تو باہر کا مرد سماج اپنا ظالمانہ پنجہ اور سختی سے اُس کے وجود کے گرد کس دیتا ہے، اور لوء لوء اُس میں بُری طرح پھنس کر اپنے انجام کو پہنچتی ہے۔ اس کا پتہ آخر میں چلتا ہے جب زیدؔ کو لوء لوءؔ کی ایک تصویر ایک ایرانی شخص سے ملتی ہے اور وہی بتاتا ہے۔

> "جس آدمی سے مجھے لوء لوءؔ کی تصویر ملی تھی، ایرانی تھا۔ اس نے بتایا تھا 'بعد میں اُسے (لوء لوءؔ کو) کچھ بیماریاں ہو گئی تھیں---- اندرونی بھی اور کھال کی بھی۔ جن کے بعد ایسے کرنسی نوٹ کی طرح جو سرکولیشن میں نہ رہا ہو اور جسے قومی بینک واپس لے لیتا ہے اور وہ غائب ہو جاتا ہے----- وہ سوسائٹی میں سرکولیشن سے غائب ہو گئی۔ یہاں سمندر چاروں طرف ہے اور اس پانی میں شارکس بھی ہیں۔ پتا نہیں قدرت کے کس بینک نے اُسے واپس لے لیا۔"(۲۶)

> "زیدؔ جو اپنی سوتیلی بہن لوء لوءؔ کی مسلسل تلاش میں رہتا ہے، اس ایرانی سے آخر یہ خبر سُن کر سوچتا ہے کہ مجھے اکثر خیال آتا ہے کس جرم یا سزا کی پاداش میں اُسے ایسی زندگی بھگتنی پڑی۔"(۲۷)

یہاں حسن منظر کوئی سٹیٹمنٹ نہیں دیتے نہ زیدؔ کے منہ سے کوئی تشریحی نوٹ رقم کرواتے ہیں۔ لیکن زیدؔ کا یہی ایک فقرہ ہمیں سوچنے اور جواب تلاش کرنے پر لگ جاتا ہے۔ ہم سمجھ جاتے ہیں کہ لوء لوءؔ کا صرف ایک ہی جرم تھا، اور وہ تھا ایسے معاشرے میں پیدا ہونا جہاں صدیوں کی جہالت نے عورت کے وجود کی قدر کرنا نہیں سیکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ زیدؔ آخر میں اپنے وطن لوٹنے کا ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ وہ اُس معاشرے میں لوٹنا نہیں چاہتا جس کا استحصال بڑی طاقتیں کر رہی ہیں اور جو آگے اپنی مظلوم عوام کا استحصال کرنے اور جہالت پھیلانے میں مصروف ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) انوار احمد، حبس، مشمولہ پیلوں، (ملتان: شمارہ نمبر ۱۷، جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء)، ۱۵۴۔

(۲) حسن منظر، العاصفہ، (کراچی: شہر زاد، ۲۰۰۶ء)، ۱۲۸۔

(۳) ایضاً، ۷۷۔

(۴) سائرہ غلام نبی، العاصفہ، مشمولہ آئندہ، (کراچی: شمارہ نمبر ۵۴۔۵۳، جنوری تا جون ۲۰۰۹ء)، ۱۹۵۔

(۵) حسن منظر، العاصفہ، ۸۔

(۶) ایضاً، ۹۔

(۷) ایضاً، ۱۴۱۔

(۸) بہ حوالہ مہرونہ لغاری، حسن منظر: ادبی خدمات، (ملتان: بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ۲۰۱۴ء)، ۱۴۲۔

(۹) حسن منظر، العاصفہ، ۲۴۔

(۱۰) ایضاً،۲۴۔

(۱۱) ایضاً،۴۷۔

(۱۲) ایضاً،۱۷۶۔

(۱۳) ممتاز احمد خان،اُردو ناول کے ہمہ گیر سرو کار، (کراچی: ماجرا سرائے پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء)،۵۷۔

(۱۴) حسن منظر،العاصفہ،۱۰تا۱۱۔

(۱۵) ایضاً،۱۱۔

(۱۶) رفیع اللہ شہاب،اسلامی معاشرہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۸۸ء)،۱۲۶۔

(۱۷) حسن منظر،العاصفہ،۱۲۔

(۱۸) روبینہ سلطان،تین نئے ناول نگار،(لاہور، دستاویز، ۲۰۱۲ء)،۴۷۔

(۱۹) حسن منظر،العاصفہ،۱۱۔

(۲۰) ایضاً،۲۶۔

(۲۱) ایضاً،۲۶تا۲۷۔

(۲۲) ایضاً،۲۷۔

(۲۳) روبینہ سلطان،تین نئے ناول نگار،۷۵۔

(۲۴) حسن منظر،العاصفہ،۲۸۔

(۲۵) مہرونہ لغاری،حسن منظر:ادبی خدمات،۱۵۴۔

(۲۶) حسن منظر،العاصفہ،۱۷۵۔

(۲۷) ایضاً،۱۷۵۔

Bibliography

- Anwar Ahmad, Habs, (Incl.)*Peloo*, (No. 17, Multan: January – March,2017).
- Hassan Manzar, *AL Asfa*, (Karachi: SheharZad, 2006).
- Mehrona Laghari, *Hassan Manzar:Adbi Khidmaat*, (Multan: BZU, 2014).
- Mumtaz Ahmad Khan, *Urdu Novel kay Hama Geer Sarokar*, (Karachi: Majra Saray Publications, 2008).
- Rafi Ullah Shahab, *Islami Mu'ashra*, (Lahore: Sang-e-meel Publications,1988).
- Rubina Sultan, *Teen na'ay Novel Nigar*, (Lahore: Dastawaiz, 2012).
- Saira Ghulam Nabi, AlAsfa, (Incl.) *Aainda*, (No. 53,54, January – June Karachi,2009.

❖❖❖